طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے: ایک جائزہ

مولانا عتیق احمد بستوی
(سکریٹری مجلس تحقیقات شرعیہ،ندوۃ العلماء لکھنو)

۱۹۳۷ء میں شریعہ اپلیکیشن ایکٹ منظور ہوا، اس ایکٹ میں دس امور کا ذکر ہے، ان دس امور سے متعلق مسلمانوں کے مقدمات میں ہندوستانی عدالتوں کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہوا کرتا تھا، اور ہندوستانی عدالتیں اس کی بھی پابند تھیں کہ مسلمانوں کے یہاں اس معاملہ کی بابت جو قانون ہے اسی کے مطابق فیصلہ کیا کریں، ہندوستان میں چونکہ حنفی فقہ ماننے والوں کی غالب اکثریت ہے اس لئے ان معاملات میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوا کرتے تھے، ہاں اثنا عشری شیعہ حضرات کے مقدمات میں فقہ اثنا عشری کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا، اس مقصد کے لئے ہدایہ اور فتاوی عالمگیری کے وہ حصے جن کا تعلق مسلم پرسنل لا سے تھا ان کا انگریزی ترجمہ بھی کیا گیا تاکہ ججوں کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو، جج اس کے پابند تھے کہ از خود کتاب وسنت میں غور وفکر کرکے اسلامی قانون کی تشریح نہ کریں بلکہ مسلمانوں کے یہاں معتبر فقہاء نے جو قانون بتایا ہے اور جو تصریحات کی ہیں ان ہی کی پابندی کرتے ہوئے اپنے فیصلے تحریر کریں، پریوی کونسل اور سپریم کورٹ کے بعض فیصلوں میں اس کی ہدایت بھی ہے کہ کسی مذہبی قانون کی تشریح جج از خود نہ کریں بلکہ اس قانون کے معتبر شارحین نے جو تشریح کی ہے اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

ملک کی آزادی کے کافی دنوں بعد ہندوستان کی عدالتوں میں یہ رجحان پیدا ہو کہ وہ معتبر مسلم فقہاء کی تشریحات سے ہٹ کر اپنے طور پر اسلامی قانون کی تشریح کریں اور قرآن

سے اسلامی قانون اخذ کریں۔

اس رجحان کا نمایاں مظاہرہ گوہاٹی ہائی کورٹ کے جج جسٹس بحر الاسلام نے اپنے فیصلہ میں کیا جس میں انہوں نے طلاق واقع ہونے کے لئے کچھ خودساختہ شرطیں عائد کیں، اوراس کے لئے انہوں نے سورہ نساء: آیت نمبر۳۴،۳۵ سے استدلال کرتے ہوئے وقوع طلاق کے لئے ایسی متعدد شرطوں کا ذکر کیا جوان کے ذہن کی پیدا شدہ تھیں، اور پوری اسلامی تاریخ میں کسی مفسر، فقیہ، محدث اور عالم دین نے ان کا ذکرنہیں کیا بلکہ ان کے خلاف تصریحات سب کے یہاں موجود ہیں، اسی طرح کا ایک دوسرا فیصلہ ۲۰۰۲ء میں بمبئی ہائی کورٹ کی اورنگ آباد بنچ کی طرف سے آیا اس میں بھی وہی باتیں دہرائی گئیں جو گوہاٹی ہائی کورٹ کے فیصلے میں تھیں، اس کے بعد ہندوستان کی عدالت عالیہ سپریم کورٹ نے ۲۰۰۲ء میں شمیم آرا کیس کے فیصلہ میں انہی باتوں کا اعادہ کیا اور جسٹس بحر الاسلام کے فیصلے کی ستائش کرتے ہوئے اسے اپنے فیصلہ کا حصہ بنایا، اس طرح سپریم کورٹ کے ذریعہ سے پورے ملک میں اس کا نفاذ ہوگیا۔

اسی سلسلہ کا ایک قدم ۲۰۰۱ء میں نفقہ مطلقہ کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ تھا کہ مطلقہ عورت عدت گزرنے کے بعد بھی طلاق دینے والے شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق رہے گی جب تک کہ اس کا انتقال نہ ہوجائے یا اس کا کہیں اور نکاح نہ ہوجائے۔

اس فیصلہ کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ملک گیر سطح پر اس کے خلاف تحریک چلائی اور بالآخر حکومت اس کے لئے تیار ہوئی کہ اس فیصلہ کے برے اثرات کو دور کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں قانون پاس کرایا جائے، چنانچہ ۱۹۸۶ء میں ’’تحفظ حقوق مسلم مطلقہ بل‘‘ پارلیمنٹ سے پاس ہوگیا، اس بل میں کچھ خامیاں رہ گئی تھی جس کا ازالہ نہیں کیا جاسکا اور دوسری طرف اس بل کے خلاف سپریم کورٹ میں کئی مقدمات دائر کئے گئے اور ان مقدمات کا فیصلہ دانیال لطیفی کیس میں ۱۹۸۶ء میں جاری ہوا جس میں تحفظ حقوق مسلم مطلقہ بل کو نہ صرف بے اثر کردیا گیا بلکہ اسلام کے عائلی قوانین میں مداخلت

کی مزید راہیں کھول دی گئیں، سپریم کورٹ آف انڈیا نے ایک غیر مسلم خاتون کے مقدمہ کی سماعت کرتے ہوئے مسلم خواتین کے حوالہ سے تین طلاق کے مسئلہ کو چھیڑتے ہوئے سپریم کورٹ ہی کی طرف سے ایک کیس دائر کیا اور تین طلاق کا مسئلہ عدالت کے علاوہ قومی میڈیا میں گرم کر دیا گیا، چند ایسی مسلم خواتین عدالت میں کھڑی کر دی گئیں جو اپنے کو تین طلاق کا شکار بتا رہی تھیں، تین طلاق کا مقدمہ سپریم کورٹ میں چلا، اس کی بھرپور پیروی کی گئی لیکن ۲۰۱۷ء میں چیف جسٹس کی سربراہی میں پانچ رکنی ٹیم نے جو فیصلہ دیا وہ اپنی جگہ حیرت انگیز فیصلہ تھا، یہ فیصلہ تین فیصلوں کا مجموعہ تھا لیکن چونکہ تین جج اس بات پر متفق تھے کہ تین طلاق کو سرے سے واقع نہ مانا جائے، ایک طلاق بھی شمار نہ کی جائے، اس لئے یہی فیصلہ ٹھہرا، ظاہر ہے کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اسلامی قانون میں صریح مداخلت ہے، لیکن بھاجپا گورنمنٹ اس پر مطمئن نہیں ہوئی اور اس نے ضروری سمجھا کہ ایک قانون بنا کر اسلام کے قانون طلاق کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے، اس لئے ۲۰۱۷ء میں اس طرح کا بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا اور پھر پاس ہوگیا، ایوان بالا نے بھی اسے منظور کر لیا اور صدر جمہوریہ کے دستخط سے امتناع طلاق کا یہ قانون ملک میں نافذ ہوگیا، حالانکہ مسلمانان ہند خصوصاً مسلم خواتین نہ اس فیصلہ پر راضی تھیں اور نہ ہی اس بل سے متفق ہیں بلکہ طلاق کے موجودہ بل میں عورتوں کے لئے بہت سے مسائل پیدا کر دئے ہیں، ہندوستان کی تاریخ کا یہ عجیب وغریب بل ہے جس کو پارلیمنٹ نے اس طبقہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود پاس و نافذ کیا تھا جس کی ہمدردی اور خیرخواہی کے نام پر یہ بل منظور کیا تھا۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ کا جائزہ

تین طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ (جس میں تین طلاق کو کالعدم قرار دیا گیا ہے) کے تفصیلی جائزہ کی ضرورت ہے، ابھی شرعی نقطۂ نظر سے اور قانونی اعتبار سے اس فیصلہ کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جاسکا، بہت سے حضرات نے تو فیصلہ کو پڑھے بغیر سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا، مسلم سماج پر خصوصاً عورتوں پر (جن کی ہمدردی

کے نام پر یہ پورا ہنگامہ برپا کیا گیا) اس فیصلہ کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ان کی مشکلات حل ہونگی یا ان کے لئے نئی نئی مشکلات اور پیچیدگیاں جنم لیں گی اس کا تفصیل سے اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہے، اس فیصلہ کے جائزہ میں اسلامی قانون کے ماہرین، قوانین ہند کے ماہرین نیز ماہرین سماجیات کی بھرپور شرکت ضروری ہے۔

ہندوستان کی سپریم کورٹ کی تاریخ میں یہ فیصلہ اپنی عجیب وغریب خصوصیات کے اعتبار سے یادرکھا جائے گا، پانچ رکنی بینچ کا یہ فیصلہ دراصل تین فیصلوں پر مشتمل ہے، ایک فیصلہ چیف جسٹس انڈیا جگدیش سنگھ کیہر اور جسٹس ایس عبدالنظیر کا ہے، دوسرا فیصلہ جسٹس روہنٹن فالی نارِیَن اور جسٹس ادے امیش للت کا ہے، اور تیسرا فیصلہ جسٹس کورین جوزف کا ہے۔

فیصلہ تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے، فیصلہ میں تمام فریقوں کے دلائل کا احاطہ کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، چیف جسٹس جگدیش سنگھ کیہر اور جسٹس عبدالنظیر کے علاوہ باقی تین ججوں نے ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو کالعدم قرار دیا ہے، یعنی اس صورت میں ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی، یہی اکثریتی فیصلہ کا لب لباب ہے، چیف جسٹس کیہر اور جسٹس عبدالنظیر نے ایک طرف تو ایک ساتھ دی گئی طلاق کو اسلامی قانون کا حصہ تسلیم کیا، اور پوری صفائی سے اس بات کا اقرار کیا کہ تین طلاق کا زیر بحث مسئلہ دستور کی دفعہ ۲۵ کے تحت آتا ہے، اور اس کے بارے میں عدالت کو کسی مداخلت کا اختیار نہیں ہے، لیکن پھر مداخلت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چھ مہینے کے لئے مسلمان مردوں پر پابندی عائد کی جاتی ہے کہ وہ ایک ساتھ تین طلاق نہ دیں، اس دوران حکومت تین طلاق کے مسئلہ میں قانون سازی کرے، درحقیقت فیصلہ وہی ہے جو تین ججوں نے کیا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاق قانوناً کالعدم ہے، اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی، اس فیصلہ کے بعد چیف جسٹس کیہر اور جسٹس عبدالنظیر کا یہ مشورہ یا ہدایت کالعدم قرار پاتی ہے کہ حکومت اس مسئلہ پر قانون سازی کرے۔

جن تین ججوں نے ایک ساتھ دی گئی طلاق کو کالعدم قرار دیا ہے، انہوں نے سپریم

کورٹ کے شمیم آرا کیس کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے، اور اس فیصلہ کی مکمل طور پر تائید وحمایت کی ہے، جسٹس روہنٹن فالی نارئین اور جسٹس ادے امیش للت نے اپنے مشترکہ فیصلے کے پیراگراف نمبر ۵۶ اور ۵۷ میں لکھا ہے:

''۵۶۔ زیر سماعت معاملہ میں صریحاً یک طرفہ کارروائی کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بالکل واضح ہے کہ طلاق ثلاثہ طلاق کی ایک ایسی شکل ہے جو کہ بدعت ہے، بالفاظ دیگر یہ سنت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ بے قاعدہ اور دین سے انحراف پر مبنی طلاق ہے، فیضی کی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ طلاق کی یہ شکل جو کہ حنفی مسلک میں معروف ہے جائز ہونے کے باوجود گناہ ہے، اور غضب الٰہی کی مورد ہے، درحقیقت شمیم آرا مقدمہ میں بنام ریاست یوپی (۲۰۰۷)، 7SSC518 میں اس عدالت نے متعدد سندوں بشمول حالیہ ہائی کورٹ فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ رائے دی:

۱۳۔ قرآن میں مذکورہ صحیح طلاق کا قانون یہ ہے کہ طلاق کی کوئی معقول وجہ ہونا چاہئے، اور طلاق سے قبل شوہر اور بیوی میں دو ثالثوں کے ذریعہ مصالحت کی کوشش ہونی چاہئے، ایک ثالت شوہر کے خاندان سے اور دوسرا بیوی کے خاندان سے ہونا چاہئے، اگر مصالحت کی کوشش ناکام ہوجاتی ہے پھر طلاق پر عمل پیرا ہونا چاہئے، (جزء۱۳ رقیہ خاتون مقدمہ (۱۸۹۱) 1GAU LR375 ڈویزن بینچ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ قرآن کی رو سے طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے:

(۱) طلاق کی معقول وجہ ہونا چاہئے، (۲) اس سے قبل مصالحت کی کوشش لازم ہے، شوہر اور بیوی کے درمیان دو ثالثوں کی مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے، ان میں سے ایک شوہر کے خاندان سے دوسرا بیوی کے خاندان سے ہونا چاہئے، ان کی کوشش کی ناکامی کی صورت میں طلاق دینا چاہئے، ڈویزن بینچ نے واضح طور پر بمبئی اور کلکتہ کی رائے سے اختلاف کیا کہ انہوں نے صحیح قانون پیش نہیں کیا۔

۱۴۔ ہائی کورٹ کے فاضل ججوں کی مذکورہ بالا رائے سے ہم ادب واحترام کے

ساتھ اتفاق کرتے ہیں (ص:526)۔

57۔ چونکہ طلاق ثلاثہ فوری اور نا قابل فسخ ہوتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں شوہر اور بیوی کے مابین ان کے خاندانوں کے دو ثالثوں کی مصالحت کی کوشش جس سے نکاح کا رشتہ برقرار رہے، اس کا کوئی امکان نہیں رہتا، رشید احمد مقدمہ میں پریوی کونسل نے یہ رائے دی تھی کہ معقول وجہ کے بغیر بھی طلاق جائز ہے، البتہ شمیم آرا مقدمہ کے بعد یہ رائے بے وقعت ہے، موجودہ صورتحال یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ صریحاً یک طرفہ ہے، کیونکہ مسلمان مرد مصالحت کی کسی کوشش کے بغیر محض اپنی مرضی سے جب چاہے رشتۂ ازدواج توڑ دے، لہذا طلاق کی اس شکل کو دستور ہند کی دفعہ ۱۴ میں مذکور بنیادی حقوق کے منافی سمجھنا چاہیے، اسی لئے ہماری رائے میں ۱۹۳۷ء ایکٹ اس معنی میں فسخ ہونا چاہیے، جس کے مطابق طلاق ثلاثہ کو تسلیم اور قابل عمل سمجھا گیا ہے، چونکہ صریحاً یک طرفہ ہونے کے باعث ہم نے ۱۹۳۷ء ایکٹ کے سیکشن ۲ کو کالعدم قرار دیا ہے، مذکورہ معاملات میں نا اتفاقی کی ان تفصیلات کی چنداں ضرورت نہیں، جس کے لئے فاضل اٹارنی جنرل نے دلیل دی، اور جس کی حمایت دیگر افراد نے کی۔

جسٹس کورین جوزف جو تین طلاق کے بارے میں فیصلہ دینے والی سپریم کورٹ کی بینچ کے رکن تھے، وہ مذہباً عیسائی ہیں انہوں نے اپنے فیصلہ کے پیراگراف ۲۴، ۲۵، ۲۶ میں درج ذیل باتیں لکھی ہیں، جنہیں ہم ان کے فیصلے کا خلاصہ اور لب لباب کہہ سکتے ہیں:

ا۔ دستور ہند کی رو سے اپنی مرضی کے مطابق کسی مذہب پر عمل اور اس کی ترویج ایک بنیادی حق ہے، جس کی دستور ہند نے ضمانت دی ہے، یہ حق البتہ ان امور کے تابع ہے۔ (ا) امن عامہ (۲) صحت عامہ (۳) اخلاقیات (۴) بنیادی حقوق سے متعلق جزء سوم کی دیگر شقیں۔

(ا) دفعہ ۲۵ کے تحت جس آزادی کی ضمانت دی گئی ہے اس سے قطع نظر (۲) دفعہ ۵ ۲ کے تحت ریاست کو یہ اختیار ہے کہ وہ دو صورتوں میں قانون سازی کرے، (۳) دفعہ ۲۵

میں درج ہے کہ اس دفعہ کی رُو سے کسی موجودہ قانون کے جاری رہنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور ریاست کو قانون سازی سے باز نہیں رکھا جائے گا، اگر (۱) ایسے قانون کی ضرورت پڑے جو کسی مذہبی فعل سے متعلق کسی معاشی، سیاسی، یا سیکولر سرگرمی پر نظر رکھے یا اسے محدود کرے اور (۲) عوامی سطح کے ہندو مذہبی اداروں کے دروازے معاشرتی اصلاح اور بہبود کے لئے ہندوؤں کے تمام طبقوں کے لئے کھول دیئے جائیں۔

مذکورہ بالا حدود کے اندر دستور ہند کے تحت مذہبی آزادی مطلق ہے اور اس باب میں فاضل چیف جسٹس سے متفق ہوں۔

البتہ میں احترام کے ساتھ اس بیان سے اختلاف کرتا ہوں کہ طلاق ثلاثہ مذہبی فعل کا لازمی جز ہے، محض اس بنیاد پر کہ کوئی فعل عرصہ سے جاری ہے اسے جواز عطا نہیں کرتا بالخصوص جب کہ وہ فعل جائز نہ ہو۔

۱۹۳۷ء ایکٹ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ شریعت کو فیصلہ کی بنیاد بنایا جائے اور جز دو ۲ میں مذکور موضوعات جن میں طلاق شامل ہے ان کے حوالے سے غیر شرعی افعال کو ختم کیا جائے۔

غرضیکہ ۱۹۳۷ء ایکٹ کے نفاذ کے بعد کسی ایسے فعل کی مطلق اجازت نہیں جو احکام قرآنی کے خلاف ہو، لہٰذا اس فعل کے لئے دستوری تحفظ نہیں اور میں فاضل چیف جسٹس سے اس بات میں اختلاف کرتا ہوں کہ طلاق ثلاثہ کو دستوری تحفظ حاصل ہے، مجھے اس بارے میں بھی شدید شک وشبہ ہے کہ دفعہ ۱۴۲ کی رُو سے کسی بنیادی حق پر عمل درآمد کے بارے میں حکم امتناعی دیا جاسکتا ہے۔

۲۵۔ جب ایسی صورت حال رونما ہوتی ہے تو مباحثے میں مذہب اور دیگر دستوری حقوق کے مابین تصادم کا رنگ غالب آجاتا ہے۔

میری دانست میں دونوں کے مابین ہم آہنگی ممکن ہے، لیکن ان مختلف مفادات کے درمیان مصالحت کرانا مقنّنہ کے دائرہ اختیار میں ہے۔

لیکن اس اختیار کو دستوری حدود میں ہی استعمال کرنا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں دستور ہند کی دی ہوئی مذہبی آزادی کی ضمانت کو کوئی گزند نہیں پہونچا چاہئے، البتہ یہ عدالت کا فرض منصبی ہے کہ وہ کسی قانون سازی کی ہدایت دے۔

۲۶۔ خوش قسمتی سے اس عدالت نے اپنا فرض شمیم آرا مقدمہ میں انجام دے دیا ہے، میں غیر مبہم الفاظ میں اس قانون کی تائید وتوثیق کرتا ہوں جو کہ شمیم آرا مقدمہ میں موجود ہے۔

جو فعل قرآن کی نظر میں غلط ہے وہ شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہوسکتا ہے، اور جو فعل دینی لحاظ سے غلط ہے وہ قانون کی رُو سے بھی غلط ہی ہے۔

جسٹس کورین جوزف، نئی دہلی

۲۲/اگست ۲۰۱۷ء

طلاق سے متعلق مختلف فیصلوں کا تجزیہ

شمیم آرا کیس کا فیصلہ کوئی تفصیلی فیصلہ نہیں ہے، اس فیصلہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ کے فاضل جج نے بعض ہائی کورٹوں کے فیصلوں پر اعتماد کرکے اور انہیں بنیاد بنا کر اپنا یہ فیصلہ صادر کیا، ذیل میں ہم شمیم آرا کیس کے فیصلہ کے مندرجات اور یہ فیصلہ ہائی کورٹوں کے جن فیصلوں پر مبنی ہے ان کے مشتملات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے تاکہ علم وتحقیق کی کسوٹی پر اس فیصلہ کو جانچا جاسکے۔

جسٹس بحرالاسلام (گوہاٹی ہائی کورٹ) اور ان کے ہم خیال ججوں نے وقوع طلاق کے لئے جو نئی شرطیں عائد کیں ان کا کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں دور دور تک پتہ نہیں ہے، طلاق واقع ہونے کے لئے یہ شرط عائد کرنا کہ طلاق کی کوئی معقول وجہ موجود ہو اور طلاق سے پہلے افہام وتفہیم کی کوشش کرلی گئی ہو، دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم مقرر کرکے معاملہ کو حل کرنے کی کوشش بھی ناکام ہوچکی ہو، گواہوں کے سامنے طلاق دی گئی ہو اور بیوی اور ان کے گھر والوں کو طلاق دینے کی اطلاع دے دی گئی ہو۔

یہ سب شرطیں خود ساختہ اور ایجاد بندہ ہیں، کتاب وسنت اور اسلامی قانون سے ان کا دور کا کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے فاضل ججوں کو سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴-۳۵ سے مغالطہ میں ڈالا گیا، اور جن آیات کے آگے پیچھے کہیں طلاق کا ذکر نہیں اُنہیں طلاق کا پرو سیجر (طریقۂ کار) بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ دونوں آیات اور ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (٣٤) وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (٣٥)

ترجمہ: مرد عورتوں پر نگراں ہیں، اس لئے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس لئے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور اللہ کی حفاظت سے مرد کی عدم موجودگی میں (اپنی عزت وآبرو اور مال واولاد کی) حفاظت کرتی ہیں، اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو، ان کو سمجھاؤ، خوابگاہ میں ان سے بے تعلقی برتو، اور ان کو (ہلکے طریقہ پر) مارو، اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کے لئے بہانے تلاش مت کرو، بے شک اللہ بڑی بلندی اور عظمت والے ہیں، اور اگر تم کو آپس میں نزاع کا اندیشہ ہو، تو مرد کے لوگوں میں سے ایک پنچ اور عورت کے لوگوں میں سے ایک پنچ مقرر کردو، اگر دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کردیں گے، بیشک اللہ خوب جاننے والے اور باخبر ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات میاں بیوی کے تعلقات اور ازدواجی جھگڑوں کو ختم کرنے کے بارے میں بہت ہی بنیادی رہنمائی دیتی ہیں، بلاشبہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا فیصلہ وقتی تأثر اور جلد بازی میں نہ کیا جائے، بلکہ پورے غور وخوض کے بعد

فریقین کے ایک دوسرے کے بارے میں صحیح معلومات کر لینے اور مطمئن ہو جانے کے بعد ہی نکاح کا رشتہ قائم کیا جائے، اس سلسلہ میں اسلام نے بہت سی ہدایات دی ہیں، یہاں تک کہ مرد جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے دیکھنے تک کی اجازت وہدایت دی ہے، حالانکہ عام حالات میں اجنبیہ عورت کو دیکھنا ممنوع ہے، لیکن جب رشتۂ ازدواج قائم ہو گیا تو اس کے بعد ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور رشتۂ ازدواج کو باقی وقائم رکھنے کی پوری کوشش ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے میاں بیوی دونوں کو بڑی حکیمانہ ہدایات دی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی نوبت شاذ ونادر ہی آئے، ان ہدایات اور تعلیمات کو پیش کرنے کے لئے کافی وقت اور فرصت درکار ہے، اور احقر نے اپنی کتاب ''طلاق کب، کیوں اور کیسے'' میں ان ہدایات کو اختصار کے ساتھ لکھ دیا ہے، طلاق کے موضوع پر اس کتابچہ کا ترجمہ انگریزی اور گجراتی میں ہو چکا ہے۔

سورہ نساء کی جن دو آیات سے ہمارے ججوں نے طلاق کے لئے خود ساختہ شرطیں عائد کرنے کی کوشش کی ہیں، انہیں غور سے پڑھے جانے اور آیات کے سیاق وسباق سے ملا کر دیکھنے کی ضرورت ہے، ان آیات کے سیاق وسباق میں کہیں طلاق کا ذکر نہیں ہے، بعض فیصلوں میں آیت نمبر ۳۴ کے اس ٹکڑے کو ''فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا'' کو طلاق سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ آیت کا یہ ٹکڑا بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نافرمان بیوی آیت میں ذکر کردہ طریقوں کے استعمال سے راہ راست پر آجائے، اور نافرمانی کی روش ترک کردے، اب اس کے ساتھ شوہر کا رویہ منصفانہ اور شریفانہ ہونا چاہئے، ماضی کی غلطیوں کی وجہ سے نہ اسے طعن وتشنیع کرے، نہ ایذارسانی کرے۔

قرآن کریم کا ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کی بعض آیات سے اگر کہیں غلط مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور تلبیس یا تشکیک کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے تو خود قرآن کریم کی دوسری آیات ان کوششوں کو ناکام بنادیتی ہیں، اور حقائق سے پردہ اٹھادیتی ہیں، طلاق کے زیر بحث مسئلہ میں بھی قرآن کا یہ اعجاز واضح طور پر سامنے آتا ہے، قرآن کریم

میں مختلف سورتوں اور آیتوں میں طلاق کے احکام ومسائل ذکر کئے گئے ہیں، طلاق اور اس سے متعلق دوسری چیزیں مثلاً عدت، نفقہ، مطلقہ اور نفقۂ اولاد وغیرہ کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ، سورہ احزاب نیز سورۂ طلاق میں مختلف آیات طلاق سے متعلق ہیں، لیکن کہیں بھی ان شرائط کا صراحتاً یا اشارتاً تذکرہ نہیں ہے، جن پر ہمارے جج صاحبان کا اصرار ہے، اور جنہیں یہ حضرات سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵ کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں، بلکہ قرآن کریم میں ایسی متعدد آیات ہیں جو ان خودساختہ شرائط کی نفی کرتی ہیں، اور اس بات پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ طلاق واقع ہونے کے لئے وہ اقدامات ناگزیر نہیں ہیں جن کا سورۂ نساء کی آیات ۳۴، اور ۳۵ میں ذکر ہے۔

قرآن کریم میں طلاق کی جن صورتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ نکاح ہونے کے بعد ابھی رخصتی بھی نہیں ہوئی ہو، اور ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں اور شوہر بیوی کو طلاق دیدے، یہ طلاق قرآن کی صراحت کے مطابق واقع ہوجاتی ہے، ایسی عورت پر عدت لازم نہیں، اور وہ طلاق ہونے کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، پھر اس عورت کے بارے میں دو شکلوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک یہ کہ نکاح کرتے وقت مہر مقرر کیا گیا تھا، اس صورت میں مقررہ مہر کا نصف عورت کو ملے گا، اور دوسری شکل یہ ہے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو، ایسی صورت میں اس عورت کو کچھ ہدیہ تحفہ دے کر رخصت کردیا جائے گا، مہر کے نام سے وہ کسی چیز کی حقدار نہ ہوگی، اس مسئلہ سے متعلق جو قرآنی آیات ہیں انہیں چند سطروں کے بعد درج کیا جاتا ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں ہوئی ہے، ایسی صورت میں ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵ میں ہے، عورت کی طرف سے نافرمانی، سرکشی کا تصور اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ رخصتی ہوگئی ہو اور ازدواجی زندگی شروع ہوچکی ہو، اسی طرح شوہر کے لئے عورت کو سمجھانا، فہمائش کرنا، خواب گاہ میں بے رخی اختیار

کرنا، ہلکی زدوکوب کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ دونوں ساتھ رہتے ہوں، اور عملاً ازدواجی زندگی کا آغاز ہو چکا ہو، میاں بیوی کی ایک دوسرے سے آخری درجہ کی ناچاقی اور منافرت جس کو دور کرنے کے لئے دونوں طرف سے ثالثوں کی تقرری ہو اسی وقت متصور ہے جب کہ دونوں کچھ مدت ایک ساتھ رہ چکے ہوں، اور باہمی تعلقات میں زیادہ تلخیاں پیدا ہو چکی ہوں، اب آپ ان آیات کو مطالعہ کیجئے جن میں نکاح کے بعد ازدواجی تعلق قائم ہونے سے پہلے طلاق دئے جانے اور ان کے واقع ہونے کا ذکر ہے:

لَّا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ إِن طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوهُنَّ أَوۡ تَفۡرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةٗۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلۡمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلۡمُقۡتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعَۢا بِٱلۡمَعۡرُوفِۖ حَقًّا عَلَى ٱلۡمُحۡسِنِينَ (سورۂ بقرہ، آیت:۲۳۶)

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے ہاتھ نہیں لگایا، اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا طلاق دیدو، اور انہیں خرچ دیدو، وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے، اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق، (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو، (اور یہ) واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔''

وَإِن طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيضَةٗ فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ إِلَّآ أَن يَعۡفُونَ أَوۡ يَعۡفُوَاْ ٱلَّذِي بِيَدِهِۦ عُقۡدَةُ ٱلنِّكَاحِۚ وَأَن تَعۡفُوٓاْ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۚ وَلَا تَنسَوُاْ ٱلۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٌ (سورۂ بقرہ، آیت:۲۳۷)

ترجمہ: اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے، قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا واجب ہے، بجز اس صورت کے کہ (یا تو) وہ عورتیں خود معاف کر دیں، یا وہ (اپنا حق) معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور اگر تم (اپنا حق) معاف کر دو تو یہ بہت ہی قریب ہے تقوی سے، اور آپس میں لطف و احسان کو نظر انداز نہ کرو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ یقیناً اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔''

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (سورۂ احزاب، آیت:۴۹ ۱)

ترجمہ:اے ایمان والو!تم جب مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھرتم انہیں طلاق دیدو قبل اس کے کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہوتو تمہارے لئے ان کے بارے میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو،تو انہیں کچھ مال دے دو،اور انہیں خوبی کے ساتھ رخصت کردو۔‘‘

ہمارے ججز اور قانون داں اس بات سے تو واقف ہی ہیں کہ کسی مجموعۂ قانون میں کسی معاملہ میں اگر کوئی صریح دفعہ موجود ہے تو اسے چھوڑ کر کسی ایسی دفعہ سے جو اس معاملہ سے براہ راست متعلق نہیں ہے استنباط واستدلال کرنا اور اس صریح دفعہ کے خلاف کوئی بات نکالنا فنی لحاظ سے غلط اور غیر قانونی عمل ہے،قرآن میں طلاق کی جو شکلیں مذکور ہیں ان میں متعدد شکلیں وہ ہیں جن میں ان شرطوں کے پائے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے جن شرطوں کو ہمارے فاضل جج نے طلاق واقع کرنے کے لئے عائد کرنا چاہا ہے،اور جن کے لئے انہوں نے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۴،۳۵ کو بہانہ بنایا ہے۔

اسلام کوئی تخیلاتی مذہب نہیں ہے،اللہ جل شانہ کائنات کے خالق اور ذرہ ذرہ سے واقف ہیں، انسان کو اور اس کائنات کو انہوں نے پیدا کیا، اور افزائش وترقی کے منازل سے گذارا، انسانوں کی نفسیات،ضروریات،خوبیوں اور کمزوریوں سے وہ بخوبی آگاہ ہیں، انسان کے لئے کون سا نظام زندگی اور کون سا قانون مناسب اور قابل عمل ہے ان سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا، اسلامی شریعت اللہ جل شانہ کی اتاری ہوئی شریعت ہے، وہ انسانوں کے لئے سب سے موزوں شریعت اور قانون ہے،اس میں انسانوں کے مختلف حالات اور طبقات کا احاطہ کیا گیا ہے،اور تمام حالات کے لئے احکام مقرر کئے گئے ہیں،نکاح کے بعد رخصتی ہونے سے پہلے اور ازدواجی زندگی گذارنے سے پہلے طلاق عام حالات میں ایک عجیب سی بات لگتی ہے،اور جو لوگ واقعات کی دنیا سے الگ ہوکر محض نظریات کی دنیا میں

رہتے ہیں ان کیلئے یہ ایک نا قابل فہم چیز ہے، لیکن واقعات کی دنیا میں ایسا متعدد بار پیش آتا ہے کہ نکاح ہوجانے کے بعد اور رخصتی ہونے سے پہلے ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں جن میں یہ بات یقینی بن جاتی ہے کہ دونوں کا ازدواجی رشتہ چل نہیں سکتا، اور نباہ نہیں ہوسکتا، مثلاً شادی کی تقریب کے دوران لڑکی والوں کو یہ تجربہ اور اندازہ ہوگیا کہ لڑکا اور اس کے گھر والے بہت لالچی اور گھٹیا مزاج والے ہیں، لڑکی اگر رخصت ہوکر چلی گئی تو مستقل گھٹن اور پریشانی میں رہے گی، اسے سسرال میں سکون واطمینان نہیں مل سکتا، اسی طرح لڑکا اور اس کے گھر والوں کو شادی ہوجانے کے بعد لڑکی کے بارے میں رخصتی سے پہلے ایسی سنگین معلومات حاصل ہوتی ہیں جو اگر پہلے معلوم ہوتیں تو لڑکا اور اس کے گھر والے رشتۂ نکاح سے معذرت کردیتے، اس طرح کے حالات میں اگر طلاق کی گنجائش نہ رکھی جاتی، بلکہ موجودہ ہندوستانی قانون کے مطابق ایک مدت گذرنے کے بعد ہی طلاق کا راستہ کھلتا تو شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بدترین سزا ہوتی، اور دونوں جوانی کے بہترین چند سال گھٹ گھٹ کر گذارتے، اس لئے اسلامی شریعت میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ نکاح کے بعد رخصتی سے قبل طلاق دی جاسکے، اور قانوناً اس کی گنجائش ہو۔

اسلام کے قانون طلاق کو ابھی چند سال پہلے مسلمان علماء اور ماہرین قانون نے مرتب نہیں کیا ہے، بلکہ یہ قانون طلاق چودہ سو سال سے پہلے اللہ جل شانہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا، آپ ﷺ نے اس کی تعبیر وتشریح فرمائی، اور مسلم سماج پر اسے نافذ فرمایا، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں طلاق کے جو واقعات پیش آئے ان پر یہ قانون نافذ کیا گیا، صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس قانون کی جزئیات اور تفصیلات کی وضاحت فرمائی، طلاق کے ارکان، شرائط، اقسام اور الفاظ پر فقہ اسلامی میں بہت تفصیلی بحثیں ملتی ہیں، طلاق کے موضوع پر دنیا کے کسی قانون میں اس قدر تفصیلات وجزئیات نہیں مل سکتیں جتنی اسلامی قانون میں موجود ہیں۔

قرآن کریم خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا، قرآن کے الفاظ اور معانی

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو سکھلائے، آپ ﷺ نے قرآن کے احکام وتعلیمات پر عمل کیا، امت کو ان کی تعلیم دی، اور مسلمانوں کے سربراہ کی حیثیت سے ان احکام کو مسلم سماج پر نافذ کیا، اگر سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴،۳۵ میں مذکور اقدامات طلاق کا پروسیجر ہوتے، اور انہیں طلاق واقع ہونے کے لئے شرط کی حیثیت حاصل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کے سامنے اس کی وضاحت فرمادیتے، اور طلاق کے ان واقعات میں طلاق کو واقع ہی نہ مانتے، جن میں شوہر کی طرف سے وہ اقدامات نہ کر لئے گئے ہوں جن کا سورۂ نساء کی آیت ۳۴ اور ۳۵ میں ذکر ہے۔

کتب حدیث کے مطابق یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں طلاق کے جو واقعات پیش آئے، اور جن کا آپ ﷺ کو علم ہوا، ان میں کہیں بھی آپ نے یہ سوال نہیں کیا کہ طلاق دینے سے پہلے شوہر نے وہ اقدامات کئے یا نہیں، جن کا سورۂ نساء کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں تذکرہ ہے، بلکہ جن واقعات میں یہ بات واضح تھی کہ وہ اقدامات نہیں کئے گئے ہیں ان میں بھی آپ نے طلاق کو واقع مانا، اگر عہد نبوی کے طلاق کے ان واقعات کا تذکرہ کیا جائے تو ایک مفصل کتاب تیار ہوسکتی ہے، کوئی ذی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ ہماری عدالتوں کے فاضل جج کا قرآن کا فہم نعوذ باللہ خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ سے بڑھا ہوا ہے، آیات قرآنی کی کوئی بھی ایسی تعبیر وتشریح جو رسول اکرم ﷺ، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین کی تعبیر وتشریح سے مختلف بلکہ اس کے مخالف ہو، کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی، خواہ وہ کتنی اونچی عدالت کی طرف سے کی جارہی ہو۔

عہد نبوی سے اگر اس طرح کی مثالیں اور واقعات پیش کئے جائیں تو کافی طوالت ہوگی، اس لئے میں ایک دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو زمانۂ حیض میں طلاق دیدی، یہ بات حضرت عمر کے علم میں آئی تو انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ طلاق سے رجوع

کرلیں، اورطہر کا زمانہ ہونے پر طلاق دیں، واقعہ کی تفصیل تو چند سطروں کے بعد درج احادیث میں آئے گی ،غور کرنے کی بات یہ ہے کہ بیٹا جوخود صحابیِ رسول ہیں، اوراحادیث نبویہ کی روایت کرنے والے چند بڑے صحابہ میں سے ہیں، وہ اپنی بیوی کو باپ کی لاعلمی میں طلاق دیتا ہے اگر تحکیم کے بعدطلاق دی گئی ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ باپ کے علم میں نہ ہوتا، پھر باپ کوصرف اس بات کی فکر ہوئی کہ بیٹے نے زمانۂ حیض میں طلاق دی ہے، جبکہ زمانۂ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے، پتہ نہیں کہ طلاق ہوئی کہ نہیں اوراب اس صورت میں کیا ہونا چاہئے، ان کے ذہن میں یہ سوالات نہیں آئے کہ بیٹے نے طلاق دینے سے پہلے وہ اقدامات کئے ہیں یا نہیں، جن کا سورۂ نساء کی آیات ٣٤ اور ٣٥ میں ذکر ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہکے طلاق دینے کا واقعہ جس کا ذکر حدیث کی تمام مستند کتابوں میں موجود ہے، اور جس کے بارے میں بہت سی روایات ہیں، ان پر غور کرنے سے طلاق کے لئے ہندوستانی عدالتہائے عالیہ کی طرف سے عائد کردہ خود ساختہ شرطوں کی قلعی کھل جاتی ہے، اور ان کا شرعاً غیر لازم ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حیض میں طلاق دینے کے واقعہ سے ایک اور گتھی بھی سلجھتی ہے کہ زمانۂ حیض میں طلاق دینا اگر چہ شرعاً ممنوع ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طلاق کو واقع مانا، اسی لئے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم فرمایا، اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو رجوع کا حکم کیوں فرمائے، اسی طرح ایک وقت میں تین طلاق دینا اگر چہ ممنوع ہے، اس طرح طلاق دینے سے آدمی گناہگار ہوتا ہے، لیکن طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس طرح طلاق دینے کے واقعات پیش آئے آپ ﷺ اس پر سخت ناراض ہوئے، لیکن ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو آپ نے واقع مانا، اور بیوی کو شوہر کے لئے حرام ہوجانے کا فتوی دیا۔

اس مختصر تمہید کے بعد کتب حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے واقعہ کو درج کیا جاتا ہے۔

"حدثنا حجاج: حدثنا يزيد بن ابراهيم: حدثنا محمد بن سيرين: حدثني يونس بن جبير: سألت ابن عمر فقال: طلق ابن عمر امرأته وهي حائض، فسأل عمر النبي صلى الله عليه وسلم، فأمره أن يراجعها ثم يطلق من قبل عدتها، قلت: أفتعتد بتلك التطليقة؟ قال: أرأيت إن عجز واستحمق؟" (صحيح بخاری، كتاب الطلاق، باب مراجعة الحائض، حديث ۳۳۳۵، ص ٦٤٠، صحاح سته)

ترجمہ: یونس ابن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا (کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے تو کیسا؟) تو فرمایا کہ ابن عمر نے (یعنی میں نے) اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی، تو حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا تو آنحضور ﷺ نے حکم دیا کہ ابن عمر اپنی بیوی سے رجعت کر لے، پھر طلاق دے اس کی عدت سے پہلے (یعنی طہر کی حالت میں طلاق دے) میں نے پوچھا اس طلاق کا شمار ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: بتلاؤ اگر طلاق دینے والا احکام شرع کے بجالانے سے عاجز ہو یا احمق بیوقوف ہو تو کیا علاج ہے، یعنی طلاق کا شمار ہوگا۔ (نصر الباری، اردو ترجمہ صحیح البخاری)

"حدثنا يحيىٰ بن يحيىٰ التميمي قال: قرأت على مالك بن أنس عن نافع عن ابن عمر أنه طلق امرأته وهي حائض في عهد رسول الله ﷺ، فسأل عمر بن الخطاب رسول الله ﷺ عن ذلك، فقال له رسول الله ﷺ مره فليراجعها، ثم ليتركها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء أمسك بعد، وإن شاء طلق قبل أن يمس، فتلك العدة التي أمر الله عزوجل أن يطلق لها النساء" (صحيح مسلم، باب تحريم الطلاق الحائض بغير رضاها وأنه خالف وقع الطلاق ويؤمر برجعتها، حديث نمبر: ١٧٤١)

ترجمہ: نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیا تھا، چنانچہ عمر بن الخطاب نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں

دریافت کیا، رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم انہیں رجعت کرنے کا حکم دو، پھر اپنی بیوی کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر ناپاکی کی مدت آئے، پھر پاک ہو، پھر اس کے بعد اگر وہ چاہے تو رکھے اور اگر چاہے تو تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق دے دے، یہی وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالی نے طلاق کا حکم دیا ہے۔

”حدثنا القعنبی عن مالك عن نافع، عن عبد الله بن عمر أنه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله ﷺ. فسأل عمر بن الخطاب رسول الله ﷺ عن ذلك؟ فقال رسول الله ﷺ: مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء أمسك بعد ذلك وإن شاء طلق قبل أن يمس، فتلك العدة التی أمر الله سبحانه أن تطلق لها النساء“(سنن ابی داؤد، باب فی طلاق السنة، حدیث ۲۱۷۹)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہﷺ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر نے رسول اللہﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا، آپﷺ نے فرمایا کہ انہیں حکم دو کہ وہ رجعت کریں، پھر اس کو اپنے پاس رکھیں یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر ناپاکی کا زمانہ آئے پھر پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر چاہیں تو رکھیں اور چاہیں تو تعلق قائم کرنے سے قبل طلاق دیدیں، یہی وہ طریقہ ہے جس کے مطابق اللہ تعالی نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔

”حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا حماد بن زيد عن أيوب عن محمد بن سيرين عن يونس بن جبير، قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته وهی حائض، فقال: هل تعرف عبدالله بن عمر؟ فانه طلق امرأته وهی حائض، فسأل عمر النبی ﷺ، فأمره أن يراجعها، قال: قلت: فيعتد بتلك التطليقة؟ فقال: فمه، أرأيت إن عجز واستحمق؟“ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی طلاق السنة، حدیث ۱۱۷۵)

ترجمہ: یونس بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے ناپاکی کی مدت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہو، انہوں نے کیا تم عبداللہ بن عمر کو جانتے ہو؟ انہوں نے بھی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں رجعت کرنے کا حکم دیا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا اس طلاق کا اعتبار ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر طلاق دینے والا احکام شرع کو بجالانے سے عاجز ہو یا بیوقوف ہو تو کیا علاج ہے؟

ہمارے فاضل جج صاحبان نے سورۂ نساء کی آیات ۳۴ اور ۳۵ میں اجتہاد کر کے وقوع طلاق کے لئے جو شرطیں عائد کی ہیں اس نہج پر اگر قرآن سے مسائل کا استنباط کیا جانے لگا، اور اجتہاد کی گرم بازاری ہوئی تو پورا دین ہی ملیامیٹ ہوجائے گا، اور اسلامی قانون کا نقشہ مکمل طور پر تبدیل ہوجائے گا، غنیمت ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ عورت کو طلاق دینے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اسے مار پیٹ کر سیدھا کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہو، کیونکہ سورۂ نساء کی آیت ۳۴ میں جہاں نصیحت کرنے اور بستر الگ کرنے کا ذکر ہے وہیں ہلکے انداز سے مارنے کا بھی ذکر ہے (واضربوھن)۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم صرف قانون کی کتاب نہیں ہے، اس میں بہت ساری اخلاقی تعلیمات وہدایات بھی ہیں، وعظ وتذکیر کے مضامین بھی ہیں، اگر ہر سورت اور آیت کو قانون قرار دے کر اس سے احکام نکالے جائیں گے تو بہت دشواری پیش آئے گی، اور قرآن کے معانی اس سے بہت مختلف ہوجائیں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ، صحابہ، تابعین، فقہاء امت نے انہیں سمجھا ہے۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ججز ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن ان کے سارے ادب واحترام کے ساتھ ہمیں یہ لکھنے میں کوئی جھجک اور تکلف نہیں ہے کہ وہ حضرات عربی زبان وادب سے بالکل ناواقف ہیں، اور جن وکلاء کی معلومات کو بنیاد بنا کر

ججز نے سورۂ نساء کی آیت ۳۴ اور ۳۵ کو طلاق واقع ہونے کے لئے شرط قرار دیا ہے، وہ حضرات بھی اپنی تمام تر قانونی قابلیت کے باوجود عربی زبان وادب اور اسلامی علوم سے بالکل نا آشنا ہیں، اس بارے میں ان کا سرمایہ علم قرآن کے بعض انگریزی تراجم ہیں، گوہاٹی ہائی کورٹ کے جسٹس بحرالاسلام سے پہلے ہمیں کوئی شخص نہیں ملتا جس نے سورہ نساء کی آیت ۳۴، ۳۵ میں مذکورامور کو وقوع طلاق کے لئے شرط قرار دیا ہو۔

قرآن کریم کی تفسیر میں ہزاروں ہزار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں، لائبریریوں میں تفسیر کی کتابوں کا سیکشن دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس کے معانی واحکام کی دریافت میں کتنا عظیم علمی سرمایہ فراہم ہے، قرآن کریم کی تفسیر میں لاکھوں ذہین ترین انسانوں کی دماغی اور علمی صلاحیتیں صرف ہوئیں، لیکن اس وسیع تر علمی لٹریچر میں کہیں کوئی بات ایسی نہیں ملے گی جو اس نقطۂ نظر کی تائید کرے کہ سورہ نساء کی آیت ۳۴، ۳۵ میں مذکورامور طلاق واقع ہونے کے لئے شرط ہیں۔

اسلامی قانون دنیا کا مکمل ترین قانون ہے، فقہ اسلامی کا عظیم الشان لٹریچر اسلامی قانون کی وسعت اور عظمت کی گواہی دیتا ہے، اگر ہم صرف قانون طلاق پر لکھی ہوئی تحریروں کو جمع کریں تو بلا مبالغہ ایک لاکھ صفحات سے کم میں انہیں اکھٹا نہیں کرسکتی ہیں، طلاق کی حقیقت، قسمیں، احکام اور شرطوں پر بہت تفصیل اور دلائل کے ساتھ فقہاء نے گفتگو کی ہے، وقوع طلاق کی شرطیں، طلاق کا ایک اہم ترین موضوع ہے لیکن فقہ اسلامی کے پورے لٹریچر میں کوئی ایک حوالہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی نے طلاق واقع ہونے کے لئے ان چیزوں کو شرط قرار دیا ہو جنہیں جسٹس بحرالاسلام اور شمیم آرا کیس کا فیصلہ کرنے والے ججز صاحبان سورہ نساء کی آیت ۳۴، ۳۵ کے حوالہ سے شرط قرار دینے کی کوشش کررہے ہیں، اس طرح کے بے سروپیر کے فیصلے نہ صرف قرآن کریم اور اسلامی قانون کی توہین کے مرادف ہیں بلکہ ایسے بے بنیاد فیصلوں سے ہماری عدالتوں اور ججوں کا قد بہت چھوٹا ہوجاتا ہے، اور قانون کی دنیا میں ان کی حیثیت بری طرح گرجاتی ہے، اس

لئے ہمارے فاضل ججز کی ذمہ داری ہے کہ ملک کے وقار اور اپنی عزت کو بچانے کیلئے ایسے بودے اور بے بنیاد فیصلوں سے گریز کریں، اور قرآن کریم، احادیث نبویہ نیز اسلامی قانون کو سمجھنے کے لئے مستند کتابوں اور معتبر اہل علم کی طرف رجوع کریں۔

☆☆☆☆